

پروفیسر ڈاکٹر محمود الحسن عارف

تہذیبوں کے مابین تصادم..... حقیقت یا پروپیگنڈا

تہذیب (Civilization) کا مادہ ہر ب (مذہب تہذیباً) ہے جس کے لغوی معنی سجانے اور سنوارنے کے ہیں اور اصطلاحی طور پر اس سے مراد ایسے رویے اور ایسی عادات ہیں جن سے لوگوں کے آپس میں میل جول اور رہن سہن کا اسلوب واضح ہوتا ہے، تہذیب اجتماعی زندگی کی ایک اہم ضرورت ہے۔ اور جب سے دنیا وجود میں آئی ہے، اس وقت سے دنیا مختلف تہذیبوں اور تمدنوں کی آماجگاہ بنی رہی ہے۔

یہاں دنیا کی مختلف قوموں نے اپنا اپنا تہذیبی اور تمدنی ارتقاء حاصل کیا پھر کچھ سال یا کچھ صدیوں تک اپنا تہذیبی اور تمدنی مظاہرہ دکھانے کے بعد وہ قومیں اپنی تہذیب و تمدن سمیت دنیا سے ناپید ہو گئیں۔ اس طرح ان کے پیچھے صرف ان کی داستانیں رہ گئیں۔

اسلام جب دنیا میں طلوع ہوا اس وقت یوں تو بہت سی تہذیبیں موجود تھیں، لیکن وہ زندگی کے جواں جذبوں اور دلولوں سے عاری تھیں، اسی لئے ان کا دم واپس شروع ہو چکا تھا۔ اسلام نے دنیا میں ایک طاقتور تہذیب اور تمدن کی بنیاد رکھی۔ اسلام کی اس تہذیب کی اساس ایک خدا، ایک رسول، ایک کعبہ اور ایک کتاب ہدایت پر ہے۔ نیز اسلام کے عالمگیر نظریہ مساوات انسانی پر اسی لئے اس تہذیب کی قوموں کی برادری میں شناخت چھوٹوں پر شفقت، بڑوں کے احترام، ماں باپ اور بزرگوں کی عزت و خدمت، رشتہ داریوں سے ملاپ، دوسروں کی مدد اور سب سے بڑھ کر شرم و حیا، عفت و پاکدامنی اور چادر اور چادر یواری کے احترام پر ہے۔ پھر اسلام نے اس بات کی بھی ہدایت کی ہے کہ مردوں کو عورتوں جیسا اور عورتوں کو مردوں جیسا رہن سہن اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ قرآن کریم میں ہے:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ ۚ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ

نصیب مما اكتسبن

ترجمہ: ”اور جس چیز میں اللہ نے بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے، اس کی ہوس مت کرو، مردوں کو ان کاموں کا ثواب ہے جو انہوں نے کئے اور عورتوں کو ان کاموں کا ثواب ہے جو انہوں نے کئے۔“

علاوہ ازیں اسلامی تہذیب کا خیر شرم و حیا اور تقویٰ و اخلاص اور تزکیہ نفس سے اٹھایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ کو جن اعلیٰ ترین صفات سے نوازا، ان سب سے اعلیٰ ترین مقصد

تزکیہ و طہارت نفس ہے^(۲) اور مردوزن میں عدم اختلاط چادر اور چادر یواری کا تحفظ اس تہذیب کا خاصہ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ نے ہمیں دوسروں کی مشابہت اختیار کرنے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا اور ہمیں متنبہ کرتے ہوئے فرمایا: **مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ** ^(۳) ”جس کسی نے کسی دوسری قوم سے مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہے“

اس لئے اسلامی تہذیب دوسری تہذیبوں کی ملاوٹ سے ہمیشہ پاک و صاف رہی ہے۔ البتہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اندلس، صقلیہ، افریقہ، ہندوستان اور دوسرے کئی ممالک میں جہاں اسلامی تہذیب کو غلبہ حاصل رہا۔ وہاں دوسری اقوام اور دوسری تہذیبوں کے لوگ مسلمانوں کی مشابہت اختیار کرتے رہے ہیں۔ اور آج بھی اسلامی تہذیب کی یہ برتری دنیا کے کئی ممالک میں واضح طور پر دیکھی اور ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

اسلام اور عیسائیت کے مابین تصادم:

جب اسلام آیا اس وقت دنیا کے ایک بڑے خطے پر عیسائیت کا راج تھا۔ اسلئے عیسائیت کے ساتھ ابتدائی دنوں میں نرمی اور مروت آمیز سلوک کے باوجود نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ کے آخری دنوں میں خلافت راشدہ اور مابعد کے ادوار میں بالخصوص اسلام اور عیسائیت کے درمیان شروع ہونے والا فکری تصادم عملی تصادم اور جنگ کی صورت میں ڈھل گیا۔ جنگ مؤتہ اور جنگ یرموک سے شروع ہونے والی معرکہ آرائی جلد ہی دونوں قوموں کے درمیان خوفناک جنگوں کی صورت میں تبدیل ہو گئی۔ اور دونوں قوموں کے درمیان دنیا کی خوفناک ترین جنگیں لڑی گئیں۔ دونوں قوموں کے درمیان رونما ہونے والا یہ تصادم دونوں قوموں کے درمیان لڑی جانے والی صلیبی جنگوں کے دوران عروج و کمال پر جا پہنچا، اسی لئے اس وقت لگنے والے زخموں کی کک اب تک باقی ہے۔

صلیبی جنگوں کی ابتداء:

مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان صلیبی جنگوں کے نام سے جو عالمی جنگیں لڑی گئیں۔ ان جنگوں کی ابتداء خلیفہ قائم بامر اللہ کی طرف سے ایک گرجا گھر کی بقول ان کے بے حرمتی کے واقعے سے ہوئی۔ یہ واقعہ کوئی اہم نوعیت کا نہیں تھا، لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مسیحی یورپ مشرق وسطیٰ کی اسلامی دنیا پر حملے کے لئے کسی بہانے کا منتظر تھا اور مذکورہ واقعے کے رونما ہونے سے اسے یہ موقع بآسانی مل گیا۔

چنانچہ ۴۸۸ھ ۱۰۹۵ء میں کلیر ماؤنٹ کے مقدس اجتماع میں اس وقت کے پوپ اربن ثانی نے مسلمانوں کے خلاف صلیبی یا مقدس جنگ کا اعلان کیا، اس نے مقدس جنگ کا اعلان کرتے ہوئے کہا:

”بیت المقدس کو بہانہ بناؤ، اور سرزمین مقدس کو چھین کر اس کے خود مالک بن جاؤ“ یہ سرزمین تمہاری وراثت ہے۔ اس سے ان کافروں (مسلمانوں) کو کوئی واسطہ نہیں۔ اس مقدس سرزمین کے بارے میں تورات کا کہنا

ہے کہ اس میں دودھ اور شہد کی نہریں جاری ہیں“ (۴)

چنانچہ پہلا صلیبی حملہ ۴۸۹ھ/۱۰۹۶ء کو شروع ہوا اور مسلسل چار سال ۴۹۲ھ/۱۰۹۹ء تک جاری رہا۔ اس وقت چونکہ اسلامی دنیا نہ تو متحد تھی اور نہ ہی ان میں کوئی ایسی طاقت و حکومت تھی جو ان کا مقابلہ کر سکتی۔ اس لئے اس جنگ میں بیت المقدس سمیت شام اور فلسطین کے کئی علاقوں پر صلیبیوں نے قبضہ جمالیا اور مشرق وسطیٰ میں ان کی چار آزاد ریاستیں (بیت المقدس، انطاکیہ، طرابلس اور الرھا) قائم ہو گئیں۔

اگر اس وقت سلطان نور الدین زنگی اور اس کا بیٹا سلطان محمود زنگی ان کے راستے میں آئینی دیوار بن کر نہ کھڑے ہوتے تو عین ممکن تھا کہ پورا مشرق وسطیٰ مغربی طالع آزمائوں کی بھینٹ چڑھ جاتا۔

اسکے بعد بالترتیب ۵۴۲ھ/۱۱۴۷ء، ۵۸۲ھ/۱۱۸۶ء، ۵۹۱ھ/۱۱۹۵ء، ۶۲۶ھ/۱۲۲۸ء اور ۶۶۶ھ/۱۲۲۸ء میں صلیبی حملے ہوئے۔ جو کئی کئی برس جاری رہے اور تقریباً دو سو سال تک یہ دونوں قومیں عالمی جنگیں لڑتی رہیں۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ یورپ کی طرف سے ہونے والے یہ تمام حملے نتائج کے اعتبار سے مکمل طور پر ناکام رہے، اور مسلمان حکمرانوں نے یورپی حکمرانوں کے ایسے دانت کھٹے کئے کہ انہوں نے دوبارہ پلٹ کر ادھر کا رخ نہیں کیا اور مغرب صدیوں ان جنگوں میں لگنے والے زخم چانتا رہا۔ چنانچہ ۱۹۱۷ء کو جب برطانیہ نے ہندوستانی سپاہیوں کی مدد سے بیت المقدس پر قبضہ کیا (۵) تو اس موقع پر کہا گیا کہ انہوں نے صلیبی جنگوں کا بدلہ لے لیا ہے۔

اگر گہرائی میں جا کر دیکھا جائے تو مسلمانوں اور مسیحی یورپ کے درمیان اس کے بعد جو بھی معرکہ آرائیاں ہوئیں، خواہ یہ ترکی کے خلاف اس کے مقبوضہ ممالک میں ہوں یا بلقان کی ریاستوں میں یا افغانستان اور عراق کے میدانوں میں ان سب کے پیچھے یہی صلیبی جنگوں والا جذبہ ہی کام کر رہا ہے۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ”مغرب نے مسلمانوں کا یہ جرم کہ انہوں نے اپنے ملکوں کی حفاظت کے لئے سردھڑکی بازی لگادی تھی اور سات سمندر پار سے آنے والی جنگجو اقوام کو اس علاقے میں ان کی من مانی نہیں کرنے دی تھی۔ اب تک معاف نہیں کیا۔ اور اس کی صدائے بازگشت کسی نہ کسی صورت میں کہیں نہ کہیں سے منعکس ہوتی رہتی ہے۔

تہذیبوں میں تصادم کا موجودہ نعرہ اور اس کا پس منظر

یہ دنیا کی بد قسمتی ہے کہ اس وقت دنیا کی زمام کار جن قوموں کے ہاتھوں میں ہے، ان میں دنیا میں امن و آشتی کو فروغ دینے اور ہم آہنگی کو رواج دینے کے لئے مثبت سوچ کا فقدان ہے۔ ان ملکوں کی مسند ہائے اقتدار پر بیٹھے ہوئے حکمرانوں کے اس مفاد پرست ٹولے کو دنیا کا امن کسی صورت میں بھی گوارہ نہیں ہے اور وہ نت نئے بہانوں اور نئے نئے نعروں کے ساتھ دنیا کے امن و امان کو لوہے اور بارود کی نذر کرنا چاہتا ہے۔ موجودہ دور میں ”تہذیبوں کے تصادم“ کے نظریے کے پس منظر میں بھی یہی جذبہ کام کر رہا ہے۔

دوسری طرف چونکہ دنیا کا مزاج بدل چکا ہے۔ آج کے دور کا انسان خواہ اس کا تعلق مشرق سے ہو یا مغرب سے صلح اور امن کے ماحول میں زندگی بسر کرنا چاہتا ہے آج جنگ و جدال کو نہ تو یورپ میں پسند کیا جاتا ہے اور نہ ہی مشرق میں۔ اس لئے جنگ اور اس کے جذبے کو تروتازہ اور جوان رکھنے کے لئے آج مسیحی یورپ کونت نئے بہانوں اور نت نئے نعروں کی ضرورت آ رہی ہے۔ آج کا دور پروپیگنڈے کا دور ہے اس پروپیگنڈے اور میڈیا کے ذریعے زیرو کو ہیرو اور ہیرو کو زیرو بنایا جاسکتا ہے۔ اور بنایا جا رہا ہے۔ میڈیا جب چاہے کسی ملک یا قوم کے خلاف منفی پروپیگنڈے کے ذریعے ایسا ماحول پیدا کر دے کہ دنیا اگر اس پر حملہ کر کے اس کی شکابوٹی کر دے تو دنیا حملہ آور کو شاباش دے گی۔ جیسا کہ افغانستان اور عراق میں یہی صورت حال دیکھنے میں آ چکی ہے۔

اسی لئے مغربی دانشوروں نے مسلمانوں کے خلاف اپنی اس تازہ یورش کو بہت سوچ سمجھ کر ”تہذیبوں کے تصادم“ کا عنوان دیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ مغربی لوگوں کو اپنی موجودہ تہذیب اور اپنے موجودہ کلچر سے بے حد محبت ہے۔ مجھے خود دومرتبہ کئی مغربی ملکوں میں جانے کا اتفاق ہوا جس میں سکندے نیوین ممالک خصوصاً ناروے، سویڈن اور ڈنمارک کے علاوہ فرانس بھی شامل ہے۔ ان تمام ملکوں میں لوگوں کا اپنی موجودہ تہذیب سے بے حد پیار دیکھنے میں آتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ انہوں نے اپنی تہذیب کا موجودہ مقام صدیوں کی کلیسا کے ساتھ جنگ کے بعد حاصل کیا ہے لہذا ہر وہ شخص جو انہیں اس تہذیب سے محروم کر دے۔ انہیں سخت ناپسند ہے۔ مغربی انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ امن و امن والے اس ماحول میں اسی طرح ساحلوں پر بیٹھا رہے اور امن و امان کے سمندروں میں یونہی غوطے لگاتا رہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی جنگ کی بات ہوتی ہے تو مغربی عوام سڑکوں پر نکل آتے ہیں۔ اس لئے کہ انہیں جنگ سے موجودہ تہذیب کے ٹوٹ جانے اور اپنے خوابوں کے ٹکھڑ جانے کا اندیشہ ہے۔

بہر حال مغربی عوام اپنی تہذیب کے بے حد دیوانے ہیں یہ الگ بات ہے کہ موجودہ مغربی تہذیب نے مغرب کو اور وہاں بسنے والے انسان کو سوائے مایوسیوں اور محرومیوں کے کچھ نہیں دیا اور مغرب میں عیش و عشرت پسندی کے اس جذبے سے خاندانی نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر رہ گیا ہے۔ اور اب تو اقوام متحدہ کے تحت مختلف ملکوں میں ’شادی خانہ آبادی‘ کی تحریک شروع کی گئی ہے۔ تاکہ لوگوں کو خاندانی وحدت میں پرو دیا جاسکے۔

اس لئے مغربی دانشوروں نے اس مرتبہ بہت سوچ سمجھ کر تپ کا پتہ پھینکا ہے کہ مسلمانوں کو تہذیب حاضر کا دشمن ثابت کر کے مغربی لوگوں کو بار کرایا جاسکے کہ مسلمانوں اور ان کی تہذیب سے ’تہذیب حاضر کو سخت خطرہ ہے۔ لہذا اس خطرے کو بالفاظ دیگر ایسے اسلامی ملکوں کو جو کم از کم اپنا دفاع کرنے کی پوزیشن میں ہیں ایک ایک کر کے نشانے پر لایا جائے۔ اور ان کے خون سے ہاتھ رنگتے ہوئے ان کا قصہ پاک کر دیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ حتی الامکان

تہذیبوں کے تصادم کے نظریے کا آغاز و ارتقاء:

دنیا کے حالات و واقعات پر ایک نظر ڈالنے سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاید مغرب پہلی جنگ عظیم کے فوراً بعد ہی اسلامی دنیا پر حملہ کرنا اور اسے سبق سکھانا چاہتا تھا۔ اس جنگ میں اس وقت کے مسلمانوں کی واحد مثالی قوت ترکی کو جس بیدردی اور بے رحمی سے ختم کیا گیا اور پھر خود ترکی کے جس طرح سے حصے بخرے کرنے کی کوشش کی گئی، اس سے اس رائے کی تائید ہوتی ہے، تاہم ۱۹۱۷ء میں بالشویک انقلاب اور روس سے ابھرنے والی سوشلزم کی طاقتور تحریک نے مغربی دانشوروں کو اپنا یہ ارادہ کچھ عرصے کے لئے ملتوی کرنے پر مجبور کر دیا۔

چنانچہ سابقہ سوویت یونین کے خاتمے تک یہ تحریک اندر ہی اندر دبی رہی اور مغرب کو اپنا یہ تعصب چھوڑ کر اپنے طاقت ور دشمن سے دودھ ہاتھ کرنے کیلئے مسلمانوں سے تعاون لینا پڑا۔ آخری دنوں میں تو مغربی ممالک کو اپنے اخراجات سے مسلمانوں کو دینی مدارس تک کو چلانا پڑا۔ اور افغانستان میں مسلمانوں کو ہر طرح کی مالی اور اخلاقی امداد مہیا کی جاتی رہی۔

لیکن جیسے ہی سوویت یونین اور سوشلزم کا خاتمہ ہوا اور سرد جنگ کا دور اختتام کو پہنچا۔ مغرب کے ذہن میں چھپا ہوا پرانا ناسور پھر جاگ گیا۔ اور اسے ایک نئے عنوان سے یعنی ”تہذیبوں کے مابین تصادم“ کے مفروضے کے تحت دنیا کے سامنے پیش کیا گیا۔

واقعاتی شہادت یہ ہے کہ ابھی افغانستان میں مغرب اور روس کے مابین آویزش عروج پر تھی اور پوری طاقت کے ساتھ زور آزمائی ہو رہی تھی کہ انہی دنوں امریکہ کے سابق صدر رچرڈ نیکسن نے اپنے ایک مضمون میں یہ بات کہی۔ ”امریکہ اور روس افغانستان کے اندر لڑ رہے ہیں، اس کا نتیجہ کیا ہوگا یہ میں نہیں کہہ سکتا لیکن مجھے صاف نظر آ رہا ہے کہ امریکہ اور روس کا مفاد آپس میں لڑنے میں نہیں ہے، اصل خطرہ کچھ اور ہے اس کا شعور پیدا کرنے کی ضرورت ہے اور وہ ہے اسلامی بنیاد پرستی کا خطرہ“ (۶)

پھر سب سے پہلے نیٹو کے جنرل سیکرٹری نے یہ بات کہی کہ ”سرخ خطرہ ٹل گیا ہے اور سبز خطرہ نمودار ہو گیا ہے“ اس کے بعد ایک بڑے یہودی مفکر برنارڈ لیویس (Bernard Liwis) نے ”جولندن یونیورسٹی میں پروفیسر رہا اور پھر ۱۹۸۰ء میں امریکہ منتقل ہو گیا اور اس نے امریکہ کے اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے مشیر اور امریکی پالیسی ساز کے طور پر کام کرنا شروع کر دیا۔ یہ شخص پوری اسرائیلی لابی کے دماغ کی حیثیت سے کام کرتا ہے۔ اس نے ۱۹۹۰ء میں جب روسی فوجیں افغانستان سے واپس ہوئیں امریکہ کے اہم رسالے (Atlantic Monthly) میں اپنے مضمون میں پہلی بار تہذیبوں کے مابین تصادم (Clash of Civilization) کے الفاظ استعمال کئے۔ اس نے اپنے اس مضمون میں لکھا: اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ عالمی سطح پر حکومتوں کی سطح بلند ہونے کی

کیفیت اور تحریک کا سامنا کر رہے ہیں۔ یہ تہذیبوں کے تصادم سے کم کی بات نہیں ہے۔ غالباً یہ ہمارے یہود مسیحی ماضی ہمارے سیکولر حال اور ان دونوں کی عالمگیر توسیع کیخلاف ایک قدیم دشمن کا شاید غیر عقلی لیکن یقیناً تاریخی رد عمل ہے۔“ اس مضمون میں اس نے واضح گاف لفظوں میں کہا:

اسپین میں مسلمانوں کی پہلی آمد سے لے کر دینامیٹ دوسرے ترک محاصرے تک ایک ہزار سال کے دوران یورپ مسلسل اسلام کے خطرے کی زد میں رہا ہے۔ (۷)

اس کے اس نظریے کو بڑی پذیرائی ملی اور یوں لگتا ہے کہ مغربی دانشور کسی ایسے ہی شوشے یا نعرے کے منتظر تھے اور انہیں جیسے ہی یہ نعرہ سنائی دیا، انہوں نے بلا سوچے سمجھے اس کی تال پر سر دھننا اور اس کی لے میں لے ملانا شروع کر دیا۔ ۱۹۹۱ء میں ایک دوسرے مغربی دانشور ولیم (William Pfaff) نے ایک مضمون میں اس کی تائید کرتے ہوئے لکھا:

There are a good many people who think that war between Communism and the west is about to be replaced by a now war between the west and Muslim (8)

(بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کمونزم اور مغرب کے مابین ہونے والی یہ جنگ جلد ہی مغرب اور اسلام کے مابین ہونے والی جنگ میں بدل جائے گی)

چونکہ یہ سب کچھ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہو رہا ہے۔ اسی لئے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا رہا ہے اور لکھا جا چکا ہے۔ چنانچہ اس موضوع کا محاکمہ کرتے ہوئے ایک سکا لکھتا ہے:

Islam and Christian Europe have sporadically been at war since the time of the Crusades, there are people (on our side and on there side) who want to turn this into a holy war between two civilizations as that could produce anything but death or Lasting misery (9)

(”اسلام اور مسیحی یورپ“ صلیبی سے لے کر گاہے بگاہے جنگ کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اب بھی دونوں طرف (ہماری طرف اور ان کی طرف) ایسے لوگ موجود ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ اس کو دونوں تہذیبوں کے مابین ایک کھلی جنگ میں تبدیل کر دیں۔ مگر اس سے موت یا انسانیت کے خاتمے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا)

پھر جب مغرب میں کوئی بحث چلتی ہے تو اسے نام نہاد سروے کے ذریعے قوت پہنچائی جاتی ہے حالانکہ ”سروے“ مکمل طور پر سروے کرنے والوں کے ہاتھوں کی کارروائی ہوتی ہے اور یہ کوئی ضروری نہیں کہ اس میں واقعیت بھی موجود ہو۔ اس مسئلے پر بھی کئی نام نہاد سروے رپورٹیں مرتب کی جا چکی ہیں۔ جن سے یہ تاثر دیا جا رہا ہے کہ معاشرے کے مختلف لوگ بھی دور حاضر کو تہذیبوں کا تصادم قرار دے رہے ہیں۔

اس ضمن میں سیموئیل ہرننگن کا نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے اس شخص نے برنارڈ لیوئس کے مشن کو

آگے بڑھاتے ہوئے بڑا موثر کام کیا ہے۔ یہ شخص ایک یہودی ہے اور ”ہارڈ ورڈ یونیورسٹی“ میں بین الاقوامی تعلقات کا پروفیسر ہے۔ اس نے ۱۹۹۳ء میں معروف امریکن رسالے ”فارن افیئرز“ میں ایک مضمون لکھا جس کا عنوان تھا (The Clash of civilization) پھر اس نے اس بحث کو پوری تفصیل کے ساتھ اپنی ایک کتاب میں شائع کیا جس کا

عنوان ہے: Clash of Civilizations and Remarkin of New World

بقول پروفیسر خورشید احمد: یہ کتاب تہذیبوں کے تصادم والے نظریے کی ”بائبل“ بن گئی ہے اور اس کی بیسیوں نہیں سینکڑوں کی تعداد میں کتابیں، تقاریر، اسٹریٹجک اور دانشوروں اور ماہرین (Think Tank) کی رپورٹیں اس موضوع پر آئی ہیں۔ (۱۰)

الغرض مغربی دنیا بشمول امریکہ تہذیبوں کے تصادم والا نظریہ پیش کر کے مسیحی یورپ کو یہ بتانا چاہتا ہے کہ اصل خطرہ ان کے لئے اسلام ہے۔ اور یہ کہ مسلمان ان کے مذہب، ان کی تہذیب، ان کے تمدن کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ لہذا اس سے پہلے کہ وہ ہمیں ختم کریں، تم انہیں ختم کر دو۔

اس کے ساتھ ساتھ مغرب کو یہ بھی باور کرایا جا رہا ہے کہ مسلمان کا سیکولر ہو جانا اور مغربی تہذیب کے اہم پہلوؤں کو اختیار کر لینا بھی مسئلے کا کوئی حل نہیں ہے۔ چنانچہ ایک مغربی خاتون ڈاکٹر شیریں ہنگر نے لکھا:

”مسلم معاشروں کا مکمل طور پر سیکولر ہو جانا اور مغربی تہذیب کے اہم پہلوؤں کو اختیار کر لینا بھی مغربی اور مسلم ممالک کے درمیان مستقل مفاہمت کی ضمانت نہیں دے سکتا۔ جب تک کہ مغربی اور مسلم ممالک کے درمیان باہمی نزاع کے اسباب باقی رہتے ہیں، خاص طور پر مسلم ممالک کی یہ خواہش کہ مغرب کے مقابلے میں طاقت کے عدم توازن کو دور کیا جائے“

حرف آخر:

الغرض اس وقت جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا ہے: ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

ایک طرف تو مغرب میں اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے تہذیبوں کے تصادم کا نام نہاد نظریہ پیش کر کے یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ جو مسلمان ملک بھی فوج، اسلحہ اور حکمت عملی کے میدان میں مغرب کے مقابلے میں اٹھ سکتے ہیں، انہیں ایک ایک کر کے ختم کر دیا جائے۔ دوسری طرف مسلمان ممالک مایوسی، جہالت اور سیاسی طور پر عدم اتفاق کا شکار ہیں اور آپس کی خانہ جنگیوں میں اس قدر الجھے ہوئے ہیں کہ انہیں یہ احساس ہی نہیں کہ دنیا ان کے ساتھ کیا معاملہ کرنے جا رہی ہے۔ اس صورت کا اہم مختصر طور پر یوں تجزیہ کر سکتے ہیں۔

۱۔ تہذیبوں کے تصادم والا نظریہ محض مسیحی یورپ کے دانشوروں کا من گھڑت منصوبہ ہے، جس کے ذریعے وہ خام مال خصوصاً گیس اور تیل کی دولت سے مالا مال اسلامی ممالک کے وسائل پر دیرینک قبضہ برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔

- ۲۔ اس نام نہاد نظریے کا دوسرا بڑا مقصد یہ ہے کہ ایسے اسلامی ممالک جو فوج، اقتصادی، ساز و سامان اور تکنیکی حکمت عملی کے میدان میں مغربی ممالک کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ انہیں ایک ایک کر کے سبق سکھایا جائے اور ان ممالک میں اپنی مرضی کی اور من پسند حکومتیں قائم کی جائیں۔
- ۳۔ اسلام کی اشاعت اور مغربی تہذیب و تمدن کے خلاف مسلمان علماء کی پر مغز علمی اور فکری کاوشوں کو اس تصادم کا عملی مظہر بنا کر پیش کیا جاسکے تاکہ فکری میدان میں مغربی استعمار کی مخالفت کو ختم کیا جاسکے۔
- ۴۔ اپنی شتر بے مہار اور مادر پردہ آزاد تہذیب کا نہ صرف پوری قوت کے ساتھ دفاع کیا جائے بلکہ اسے میڈیا کے ذریعے مسلمانوں پر بھی مسلط کیا جائے۔ اور جو شخص اس کی مخالفت کرے اسے بنیاد پرست اور انتہا پرست قرار دے کر روکا جاسکے بلکہ اگر ممکن ہو تو اسے خود مسلمان ممالک کے ہاتھوں سزا دلوائی جائے۔
- یہ ہے تہذیبوں کے تصادم والے نظریے کا پس منظر۔

﴿ حوالہ جات ﴾

- ۱۔ النساء (۳۲/۳) ۲۔ القرآن الکریم، البقرہ (۱۵/۲) ۳۔ مشکوٰۃ (اللباس)
- ۴۔ حسن الحبشی، الحروب الصلیبیۃ الاولیٰ، قاہرہ ۱۹۴۷ء ص ۳-۲، یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ”صلیب“ کے عنوان سے لڑی جانے والی ان جنگوں کی اساس ہی غلط تھی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صلیب تو اس اور عدم دفاع کا نشان ہے، مغرب نے اسی صلیب کو مشرقی ممالک خصوصاً اسلامی ملکوں پر چڑھائی اور دھاوے کے لئے نشان بنالیا، جو کہ درست نہیں ہے۔
- ۵۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۱/۱۶: ۳۰۶-۳۰۷
- ۶۔ ترجمان القرآن، مئی ۲۰۰۶ء، بحوالہ رسالہ Foreign Affairs
- ۷۔ صیغفرن لیکچر ۱۹۹۰ء، Atlantic Monthly، ستمبر ۱۹۹۰ء
- ۸۔ William Pfaff, Help Algeria's Fundamentalist, the New York January, 1991
- ۹۔ John L. Esposito, The Islamic myth or Releaty (تیسرا ایڈیشن) باب ششم، ص ۲۱۵، مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی نیویارک ۱۹۹۹ء) یہ کتاب اس عنوان پر بڑی اہمیت رکھتی ہے، مصنف نے اس کتاب میں مسئلے کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ محض ایک افسانہ ہے اور حقیقت نہیں ہے۔
- ۱۰۔ پروفیسر خورشید احمد تہذیبوں کا تصادم حقیقت یا دواہمہ، ترجمان القرآن مئی ۲۰۰۶ء ص ۱۱
- ۱۱۔ ایضاً